سُنّت کا مفہوم

اور

اتباعِ سُنّت کی اہمیّت

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

بیت العلوم

سُنّت کا مفہُوم

اور

اتباعِ سُنّت کی اہمیّت

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیتُ العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور- فون: ۵۲۲۳۸۳۴

کتاب = سنت کا مفہوم اور اس کی اہمیت
مقرر کا نام = حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
مقام = مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ = ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ ہجری
ترتیب وعنوانات = مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام = محمد ناظم اشرف
ناشر = بیت العلوم ـ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر۱
ادارۃ القرآن = چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنت کا مفہوم
اور
اس کی اہمیت

خطبہ:

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم،

امابعد!

باب فی الأمر بالمحافظہ علی السنة و آدابہا
قَالَ اللّٰہُ تعالٰی: وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوہ وَما نَھاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوہ (الحشر، ۷) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی (النجم، ۳،۴) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط

(آل عمران:۳۱)

تمہید:

گذشتہ مجلسوں میں ان اعمال کی تفصیل بیان کی گئی تھی جو، بہت ہی آسان اور بڑے اجر وثواب والے اعمال تھے جیسے راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا، مسجد کی صفائی کرنا، لوگوں سے مسکرا کر ملنا وغیرہ وغیرہ۔ آج کی مجلس سے ہم ایک اہم باب کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہ باب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے متعلق ہے[1]۔ یہ بہت اہم باب ہے۔ ہر مسلمان کو ہر آن اور ہر لمحے اس سے رہنمائی ملتی ہے۔

''سنت'' کے لفظی اور اصطلاحی معنی:

لفظ ''سنت'' آپ کثرت سے سنتے ہیں۔ اس کا مفہوم ذرا تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ لفظ ''سنت'' کے لغوی معنی ہیں ''طریقہ''۔ جب یوں کہا جائے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی سنت'' تو اس کا مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔ کس چیز میں طریقہ؟ پوری زندگی کے اعمال میں، زندگی کے تمام شعبوں میں۔

شریعت کی اصطلاح میں لفظِ ''سنت'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نماز اور وضو وغیرہ میں آپ پڑھتے ہیں کہ نماز میں اتنی سنتیں

---

[1] باب کا عنوان ہے: ''باب فی الامر بالمحافظۃ علی السنۃ و آدابہا'' (ملاحظہ فرمایئے: ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ کراچی ص ٨٦)، مرتب

اور وضو میں اتنی سنتیں ہیں اور اتنے فرض، اتنے واجبات اور شرائط ہیں۔ اس جگہ سنت سے مراد ہوتا ہے "واجب سے کم درجے کے اعمال"۔ لیکن آج ہم جس باب کا آغاز کر رہے ہیں، اس جگہ سنت کے یہ معنی مراد نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں۔ نہ صرف یہاں بلکہ عام طور پر قرآن وسنت کی اصطلاحات میں جب لفظِ "سنت" بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ، خواہ وہ فرض ہو یا واجب، سنتِ موکدہ ہو یا غیر موکدہ، آداب میں سے ہو یا شرائط میں سے، یہ سب سنت کے اصطلاحی مفہوم میں داخل ہیں۔ مثلاً ایمان لانا تو سب سے بڑا فرض ہے، جس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا، وہ بھی سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اسی طرح ہم نماز ادا کرتے ہیں مثلاً صبح کو دو فرض، ظہر میں چار فرض، عصر میں چار فرض، مغرب میں تین اور عشاء میں چار فرض پڑھتے ہیں، یہ پانچ نمازیں بھی سنت ہیں حالانکہ فرض ہیں لیکن اس اعتبار سے سنت ہیں کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے زکوٰۃ بھی سنت ہے اور روزہ بھی، حج بھی سنت ہے اور ایمان بھی اور کلمہ توحید وشہادت کہنا بھی سنت ہے۔ غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں، وہ سب کے سب سنت ہیں کیونکہ وہ آپ کا طریقہ ہیں۔ البتہ پھر حکم کے اعتبار سے کوئی فرض ہے اور کوئی واجب، کوئی

سنت ہے اور کوئی مستحب۔

اسی سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ پاکستان کے آئین میں جو یہ عبارت درج ہے کہ اس ملک کا کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا، اس سے مراد بھی یہی دوسرے معنی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے جو کچھ ثابت ہے، اس کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔

غلط فہمی کی وجہ:

عام طور پر سنت کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ واجب نہیں۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ اس وجہ سے لگتا ہے کہ جب نماز وغیرہ میں فرائض اور سنتوں کو گنوایا جاتا ہے تو اس وقت سنت سے مراد ''واجب سے کم درجے کا عمل'' ہوتا ہے۔ تو اس مغالطہ کی وجہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جب بھی اور جہاں بھی سنت کا لفظ بولا جائے گا، تو اس سے واجب سے کم درجے کا عمل مراد ہوگا۔

''داڑھی رکھنا سنت ہے'' اس کا صحیح مطلب:

اسی سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک مشت کے برابر داڑھی رکھنا اور جب تک مشت بھر سے بڑھ نہ جائے، اُسے نہ کاٹنا ''سنت'' ہے تو عام طور پر لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ

واجب نہیں۔ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، داڑھی رکھنا واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے اور تاکید سے حکم دیا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کا حکم دیں تو وہ فرض اور واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا داڑھی رکھنا اس معنی میں تو سنت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ واجب نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے، اس لئے یہ واجب ہے۔ اس کا کٹوانا گناہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔

چار بنیادیں:

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کے احکام صرف چار چیزوں سے ثابت ہو سکتے ہیں، قرآن سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یعنی آپ کے قول سے یا فعل سے یا اجماع سے یا قیاس سے۔ یہ چار بنیادیں ہیں اور جتنے شرعی احکام ہیں، وہ سارے کے سارے انہی میں سے کسی سے ثابت ہیں۔

قرآن وسنت:

قرآن مجید میں اگرچہ بہت سے احکام آگئے تاہم سارے احکام کا بیان نہیں آیا۔ بعض احکام کے صرف اصول بیان کئے گئے،

بعض جگہ صرف اشارہ دے دیا گیا، بعض صرف ایک روح دے دی گئی، اور باقیوں کے بارے میں کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرمائیں، تم اس کی پیروی کرو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

(الحشر، ۷)

"سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو"۔

گویا سارے احکام بیان کرنے کے بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دے دیا کہ یہ ہمارے رسول ہیں، یہ اپنی طرف سے دین کی باتیں نہیں کرتے، جو کچھ کہتے ہیں، ہماری باتیں ہی آپ کو کہتے ہیں۔

وما ينطق عن الهوى ○ ان هو الا وحي يوحى ○

(النجم، ۳-۴)

"اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے"

لہٰذا یہ جس چیز کا حکم دیں اسے کرتے جاؤ اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ پھر قرآن مجید میں سنت کی اہمیت کے بارے میں آیت آتی ہے

من يطع الرسول فقد اطاع الله (النساء، ۸۰)

"جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی"۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جتنے بھی شرعی احکام احادیث میں بیان ہوئے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوئے درحقیقت وہ احکام قرآن ہی سے بالواسطہ ثابت ہو گئے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع قرآن کا اتباع ہے۔

اجماع:

تیسری چیز اجماع ہے۔ اجماع سے حکم ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانے کی پوری امت نے جتنے مجتہدین ہیں اگر وہ کسی حکم پر متفقہ فیصلہ کر دیں تو وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اس امت کے فقہاء، مجتہدین خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہوں، اگر سب کے سب مل کر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کریں کہ یہ چیز حلال ہے یا یہ چیز حرام ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حلال ہے یا وہ اللہ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ اس کی دلیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا:

لاتجتمع أمتي على الضلالة

میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔[1]

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ساری امت کسی گمراہی کے کام پر متفق

۱۔ یہ حدیث تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ کئی صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حدیث کا قدر مشترک یہ ہے "امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔" (تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ حجیت اجماع کا مقدمہ از مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم) مرتب

ہو کر کہنے لگے کہ یہ جائز ہے، یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اگر کوئی جائز کہنا چاہے گا تو دوسرے لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔ اور اگر کوئی اس کی مخالفت نہ کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور ان کا فیصلہ درست ہے۔ امت کے فیصلے سے مراد امت کے مجتہدین اور فقہاء کا فیصلہ ہے۔

اجماع کی حجیت قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ (النساء، ۱۱۵)

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالف کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلے گا ہم اسے ادھر ہی چلتا کردیں گے اور (قیامت کے دن) اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے"۔

یعنی جو شخص تمام مومنین سے مختلف راستہ اختیار کرے گا اسے ہم جہنم میں پھینکیں گے۔ معلوم ہوا کہ تمام مومنین کا جو متفقہ فیصلہ ہو جائے، اس کے برخلاف کرنا جائز نہیں۔

قیاس:

چوتھی چیز ''قیاس'' ہے۔ عام طور پر لوگ قیاس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے اخبارات میں قیاس آرائیاں ہوتی رہتی ہیں، یہ قیاس بھی ویسا ہی ہوتا ہوگا۔ یہ خیال درست نہیں۔ قیاس کا عمل ایک بہت مشکل کام ہے۔ ہر ایک کے بس کا کام نہیں اور ہر ایک کے اندر اس کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے علماء اور فقہاء عمریں خرچ کرتے ہیں تب کہیں جا کر ان کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ قیاس کر سکیں۔

قیاس کی حقیقت:

اس کی حقیقت جاننے کے لئے بھی تفصیل درکار ہے۔ آپ صرف اتنا سمجھ لیں کہ اگر کوئی حکم قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہے، پھر کوئی ایسا معاملہ پیش آ گیا جس کا صریح حکم نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث اور نہ اجماع میں، لیکن یہ معاملہ پہلے معاملے سے ملتا جلتا ہی ہے تو جو حکم پہلے معاملے کا تھا، وہی اس کو بھی دے دیتے ہیں، اس عمل کا نام قیاس ہے۔ مثال کے طور پر گندم کو گندم کے مقابلہ میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں مثلاً ایک شخص ایک کلو گندم دے رہا ہے اور دوسرے سے ڈیڑھ کلو گندم اس کے بدلے میں لیتا ہے تو یہ جائز نہیں، حرام ہے۔ سنت میں اسے سود قرار دیا گیا ہے۔ اس کے

بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد موجود ہے۔ اب غور کیجئے کہ گندم کے بارے میں تو یہ حکم آ گیا لیکن چاول کے بارے میں حدیث میں یہ حکم نہیں آیا کہ اگر ایک کلو چاول کے بدلے میں ڈیڑھ کلو چاول لے لیا جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ تو چاول کے معاملے میں فقہاء اور مجتہدین نے قیاس کیا چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو حکم گندم کا ہے وہی حکم چاول کا بھی ہے یعنی جس طرح ایک کلو گندم کے عوض میں ڈیڑھ کلو گندم لینا جائز نہیں، اسی طرح ایک کلو چاول کے عوض میں ڈیڑھ کلو چاول لینا بھی جائز نہیں۔ یہ چاول کے اندر گندم والے حکم کو ثابت کرنا قیاس ہے۔

قیاس کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں

میں نے آپ کے سامنے قیاس کو آسان سے انداز میں سمجھا دیا، لیکن قیاس کے لئے جانے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، کتنے پہلوؤں کو دیکھنا پڑتا ہے، کتنی چیزوں کا جائزہ لینا پڑتا ہے، کتنی باریکیوں میں جانا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر قیاس سے حکم ثابت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ مجھ جیسے آدمی کا کام نہیں ہے، بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ کا کام ہے۔ ہر مفتی کا کام نہیں اور ہر عالم بھی نہیں کر سکتا بلکہ صرف مجتہد قیاس کر سکتا ہے۔

قیاس کی بنیادی شرط:

یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ قیاس الل ٹپ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے اصول وشرائط کا پابند ہوتا ہے۔ ان میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ قرآن سے لیا جائے گا، حدیث سے لیا جائے گا یا پھر اجماع سے لیا جائے گا، ان تین ماخذ کے علاوہ اگر کہیں اور کوئی بات آئی ہے مثلاً کسی قانون کی کتاب میں کوئی بات لکھی ہوئی ہے تو اس پر قیاس کر کے شرعی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا اور قیاس معتبر بھی نہیں۔

یہ رویہ ہرگز درست نہیں:

اس تفصیل سے آپ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ آج کل بہت سے جاہل اپنے آپ کو مجتہدین کے مقام پر لا کر کھڑا کرتے ہیں اور پھر انپ شناپ باتیں کرتے ہیں۔ ابھی سپریم کورٹ کے اندر سرکاری وکیل نے جو انپ شناپ باتیں کی ہیں، وہ آپ نے سن لی ہوں گی۔ ربا (سود) کے بارے میں کہا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مکروہ ہوتا ہے اور دوسرا حرام ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خنزیر کے گوشت کی بھی دو قسمیں ہوں گی، ایک مکروہ، دوسرا حرام۔ ان جیسے لوگوں کا رویہ ہرگز درست نہیں۔

غیر عالم کے مسئلہ بتانے کا حکم:

اگر کوئی شخص عالم دین نہیں اور کسی عالم دین کے علم، تقوی اور دیانت پر اُسے اعتماد ہے تو اس سے مسئلہ معلوم کرے، وہ جو مسئلہ بتادے، آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرے، انشاء اللہ سیدھا جنت کا راستہ ہے اور جو شخص عالم دین نہیں یا قابل اعتماد عالم دین نہیں، اس کا تقوی قابل اعتماد نہیں، اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جو علماء کرام کے بیان کردہ مسئلہ کے خلاف ہے تو آپ اس سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ شریعت کا حکم چار چیزوں سے ثابت ہوتا ہے، آپ جو حکم بیان کر رہے ہیں، یہ کونسی چیز سے ثابت ہے؟ اگر قرآن سے ثابت ہے تو آیت بتلاؤ، سنت سے ثابت ہے تو حدیث دے دو، اجماع سے ثابت ہے تو اس کا حوالہ دے دو کہ کس زمانے کے مجتہدین نے یہ فیصلہ کیا، اور اگر قیاس سے ثابت ہے تو بتاؤ کونسے مجتہد نے یہ قیاس کیا ہے۔ اگر نہیں بتا سکتے تو تمہاری یہ بات ناقابل اعتماد ہے، اسے اپنے پاس رکھو، شریعت کے سر نہ منڈھو۔

سنت کی پیروی کے درجات:

مذکورہ تفصیل کے بعد اب ہم اس باب کی تشریح بیان کرتے ہیں۔ آج ہم اس باب کا آغاز کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے طریقے کی پابندی لازم ہے، آپ کی سنت کی پیروی ضروری ہے۔ پیروی کے مختلف درجات ہیں۔ کہیں یہ پیروی فرائض میں ہوگی تو کہیں واجبات میں، کہیں سنن میں ہوگی تو کہیں مستحبات میں، کہیں شرائط میں ہوگی تو کہیں آداب میں۔ مثلاً یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھیں اور انہیں فرض قرار دیا تو ہم بھی انہیں فرض کہیں گے۔ یہ سنت بھی ہیں اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور اس پر عمل کر کے دکھلایا ہے اور چونکہ اسے فرض کہا ہے اس لئے یہ فرض ہیں۔ اور فجر کی نماز سے پہلے جو دو سنتیں ہیں، انہیں آپ نے فرض نہیں کہا، اس لئے ہم بھی انہیں فرض نہیں کہتے، البتہ یہ سنت ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہیں۔

بعض سنتیں فرض و واجب یا سنت نہیں بلکہ مستحب ہیں مثلاً جوتا پہننے کا طریقہ جو سنت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب جوتا پہنیں تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنیں، بائیں میں بعد میں پہنیں۔ ایسا کرنا ضروری نہیں لہذا اگر اس کے برخلاف کرو گے تو گناہ نہیں ہوگا لیکن اگر اس کے مطابق کرو گے تو ثواب ملے گا۔ یہ مستحب عمل ہے لیکن اسے سنت بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اسی طرح تھا۔

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے طریقے کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

پہلی آیت:

"وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

(الحشر:۷)

"اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو"۔

"دینا" کئی طریقے سے ہوتا تھا، کبھی ہاتھ سے اٹھا کر کوئی چیز دے دی، روپیہ پیسہ دے دیا، کبھی زبان سے کوئی حکم یا ہدایت دے دی کہ فلاں کام کرو، فلاں نہ کرو، فلاں جگہ چلے جاؤ، بیویوں کے حقوق ادا کرو، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی دیں، اسے لے لیا کرو یعنی اُسے قبول کرو، اگر مال و دولت ہے تو اُسے نعمت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تمہیں دلوائی ہے، کوئی ہدایت اور رہنمائی ہے تو اسے زندگی بھر کے لئے اپنے لئے مشعل راہ بناؤ۔ اور جس چیز سے روکیں، اس سے رک جاؤ یعنی جس جس گناہ سے بھی آپ روک دیں، اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اصل شرعی ضابطہ:

اصل شرعی ضابطہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی چیز کا حکم دے دیں تو وہ فرض ہو جاتی ہے اور جب کسی چیز سے روک

دیں تو وہ حرام ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر قرائن وغیرہ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرض کے طور پر نہیں دیا بلکہ شفقت کے طور پر رہنمائی فرمائی ہے تو وہ فرض یا حرام نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ کبھی موقع ملا تو عرض کر دیں گے۔ البتہ آپ اتنی بات یاد رکھیں کہ اصل ضابطہ یہی ہے کہ آپ کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے۔ صحابہ کرام کے انداز اتباع سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، سامنے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے، آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے گھر سے مسجد نبوی کی طرف آ رہے تھے۔ راستے میں تھے کہ کانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز پڑی تو وہیں راستے میں بیٹھ گئے۔ یہ تحقیق بعد میں کی کہ اس حکم کے مخاطب کون تھے۔ چونکہ الفاظ عام تھے اس لئے جب آپ نے یہ حکم سنا تو اس سے سمجھ لیا کہ میرے لئے بیٹھنا فرض و واجب ہو چکا ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان لوگوں کو بٹھانا تھا جو سامنے کھڑے تھے لیکن اس وقت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کی کیا مراد ہے؟ البتہ اس اصول کو جانتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آ جائے تو اس کی تعمیل فرض ہو جاتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا حرام ہو جاتا

ہے لہٰذا فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ آپ کی شانِ تفقہ ہے۔ آپ کا تفقہ صحابہ کرام کے درمیان معروف تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فقہ زیادہ تر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ سے ماخوذ ہے۔

بعض مرتبہ حکم فرضیت کے لئے نہیں ہوتا:

البتہ بعض مرتبہ حکم فرضیت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دیگر مقصد کے لئے ہوتا ہے مثلاً بعض مرتبہ یہ بتانے کے لئے ہوتا ہے کہ اب یہ کام جائز ہو گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حالت احرام میں کسی قسم کا شکار کرنا جائز نہیں، حرام ہے لیکن جب حاجی احرام سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے شکار کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا کہ۔

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ط (المائدہ،۲)

جب تم حالت احرام سے نکل آؤ تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔

اب اس حکم کا یہ مطلب نہیں کہ جب حالت احرام ختم ہو جائے تو سب بندوقیں لے لے کر شکار کرنا شروع کر دو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب شکار کرنے کی ممانعت ختم ہو گئی اور شکار کرنا جائز ہو گیا۔ اب اگر یہاں بھی فرضیت کے معنی میں قرار دیں گے تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

لطیفہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک دیہاتی صاحب کسی کام سے شہر میں آئے اور کسی کام کے لئے انہیں کسی سرکاری عمارت میں جانا پڑا جو کئی منزلہ تھی۔ وہاں شہر میں اپنے کسی عزیز کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب اس عمارت میں کام سے فارغ ہو کر واپس آئے تو بہت تھکے ہوئے تھے، حالت خراب تھی اور کہہ رہے تھے: توبہ توبہ، میرا تو حلق خشک ہوا، کیسا ظلم ہے، کیا مصیبت ہے، عزیز نے پوچھا: صاحب کیا قصہ ہوا؟ کہنے لگے کہ جب عمارت کے گیٹ میں داخل ہوا تو وہاں ایک گملہ رکھا ہوا تھا، اس پر لکھا تھا اس میں تھوکئے تو میں نے اس میں تھوک دیا۔ آگے بڑھا تو ایک اور گملہ رکھا تھا، اس پر لکھا تھا اس میں تھوکئے تو میں نے اس میں بھی تھوک دیا۔ جتنا بھی آگے بڑھتا رہا، ہر جگہ یہی لکھا ہوا نظر آیا تو میں بھی ہر ایک گملے میں تھوکتا رہا۔ تھوکتے تھوکتے تھک گیا۔ پھر واپسی پر بھی یہی قصہ پیش آیا۔ اب میرا تو حلق خشک ہو چکا ہے۔ تمہارا شہر کیسا ظالم ہے؟ اب وہ صاحب جو بات سمجھے، وہ غلط تھی بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تھوکنا ہے تو اس میں تھوکو۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ اس میں ہر مرتبہ ضرور تھوکو۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم:

اسی طرح کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل کسی عمل کے مستحب ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا، لیکن ایک موقع پر آپ نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا منع کرنا حرام ہونے کے لئے نہ تھا اس لئے کہ اگر کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہوتا تو آپ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے بلکہ ایسا کرنا ادب کے خلاف ہے اور آپ کا یہ فعل کرنا یہ بتلانے کے لئے تھا کہ یہ جائز ہے، ناجائز نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے۔

دوسری آیت:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ○

(النجم:۴)

''اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے''۔

یعنی دینی معاملات میں آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے بھیجی ہوئی وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتا مثلاً فلاں چیز جائز ہے، فلاں ناجائز ہے، فلاں فرض ہے، فلاں واجب ہے، فلاں عمل کا اتنا ثواب ہے وغیرہ، یہ دین کی باتیں ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے البتہ یہاں دنیا کے معاملات مراد نہیں مثلاً کسی کو مشورہ وغیرہ دے دیا یا کوئی اور بات کہہ دی وغیرہ تو وہ یہاں مراد نہیں۔ اس تفصیل سے بھی یہی معلوم ہوا کہ آپ کی ہدایات اور احکام کی پیروی فرض و واجب ہے۔

تیسری آیت:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ○ (آل عمران ۳)

"(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے، اگر وہ آپ کی پیروی نہیں کر رہا تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ میں اللہ سے محبت کرتا

ہوں۔ اور آپ کی پیروی یہی ہے کہ آپ نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا، اسے کرو اور جس سے منع کیا، اس سے باز آجاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے دو فوائد:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کے دو نتائج اور فوائد ظاہر ہوں گے۔

(۱) یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا)۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ آپ کسی سے محبت کریں تو آپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرے، چنانچہ اگر ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو ہمارے دل میں بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرنے لگے اور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے سعادت کی اور کیا بات ہوگی کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بنا دیا کہ تم مجھ سے جتنی محبت کرنا چاہو، کرو لیکن تمہاری محبت اس وقت معتبر ہوگی جب تم میرے رسول کی پیروی کرو گے۔ جب تم میرے رسول کا اتباع کرلو گے تو میں محبت کا جواب محبت سے دوں گا اور اگر میرے رسول کی پیروی نہ کی تو میری طرف سے محبت کا جواب محبت سے نہیں ملے گا۔

(۲) وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے جس طرح انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، اسی طرح اگر اس سے گناہ ہو بھی جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیتے ہیں۔

صحابہ کرام کا اتباعِ سنت:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھال دیا تھا، لباس و پوشاک میں، گفتگو میں، کھانے پینے میں، اٹھنے بیٹھنے میں، چلنے پھرنے میں، نماز میں، عبادات میں، معاملات میں، تجارت میں، محنت و مزدوری میں غرضیکہ ہر چیز میں وہ دیکھتے تھے کہ ہمارے رسول کا اس میں کیا طریقہ تھا؟ چنانچہ اس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول:

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو عالم اسلام کے عظیم حکمران تھے۔ جن کے بھیجے ہوئے دستوں نے اس وقت کی دو سپر پاور حکومتوں کو زیر کیا، کسریٰ اور قیصر کو۔ یہ دونوں سپر طاقتیں شمار ہوتی تھیں۔ اس وقت کی ساری دنیا دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک حصہ کسریٰ کے ماتحت تھا اور دوسرا حصہ قیصر کے زیرِ نگین تھا۔ آپ کے دور میں ان دونوں کو ملیا میٹ کر کے اسلام کا جھنڈا بلند کیا گیا تھا۔ اس

کے ساتھ ساتھ اتنے بڑے منتظم (Administrator) تھے کہ اسلام کے کھلے دشمنوں نے بھی آپ کے حکومتی نظم و ضبط کو سراہا اور اُسے قابل تقلید قرار دیا۔ متحدہ ہندوستان میں انگریز کے دورِ حکومت میں جب الیکشن ہوئے اور کانگریس کو بھاری کامیابی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے کانگریس کے لیڈر گاندھی وزیراعظم مقرر ہوئے۔ وزیراعظم بننے کے بعد اس نے اپنے وزیروں کے نام جو ہدایت نامہ بھیجا، اس میں یہ بھی کہا تمہیں صدیوں بعد اب حکومت مل رہی ہے۔ اگر تم کامیاب حکومت کرنا چاہتے ہو تو ویسی حکومت کرو جیسی ابوبکر اور عمر نے کی۔ (گاندھی کو نمونے کے طور پر پیش کرنے کے لئے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی نہیں ملا) اس جملے پر ہندوؤں نے بہت ناک بھوں چڑھائے اور کہا کہ تم نے مسلمانوں کے سامنے ہماری ناک کٹوادی۔ گاندھی نے جواب دیا کہ میں کیا کروں پوری تاریخ میں مجھے اتنے بڑے کامیاب حکمران اور کوئی ملتے ہی نہیں۔

اتنے بڑے عظیم حکمران اور منتظم ہونے کے باوجود ان کا طریقہ اور معمول یہ تھا کہ جب کوئی معاملہ یا مقدمہ یا کوئی بھی واقعہ پیش آتا جس کا شرعی حکم آپ کو معلوم نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو جمع کر کے فرماتے کہ فلاں واقعہ پیش آیا ہے، اس کے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔ کیا تم میں سے کسی نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول سنا یا کوئی فعل دیکھا ہے۔ اگر کوئی کہتا کہ میں نے سنا یا

دیکھا ہے تو فرماتے اچھا اس پر گواہ لے آؤ۔ اور جب گواہی آنے کے بعد اطمینان ہو جاتا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا یا اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا تو آپ بھی اسی پر عمل کرتے اور مملکت کا قانون بھی وہی بن جاتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کامیاب حکمران ہونے کا راز:

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کامیاب حکمران ہونے کا راز ہی یہی تھا کہ آپ کامل متبع سنت تھے، واقعہ یہ ہے کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے اور پھر اپنے آپ کو اسی کے سانچے میں ڈھالا جائے تو زندگی اتنی خوشگوار، اتنی آسان، اتنی کامیاب اور اتنی قابل رشک بن جائے کہ لوگ دیکھ دیکھ کر حیرت کریں۔ میں یہ بات صرف عقیدت کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا بلکہ واقعات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے طریقوں کے مطابق زندگی گذارتا ہو، وہ ہر دلعزیز ہوتا ہے۔

سنت کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے:

سنت پر عمل کرنے کے لئے آپ کی پوری زندگی کی تفصیلی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے مثلاً یہ کہ آپ صبح کو اٹھ کر کیا کرتے

تھے، غسل اور استنجاء کے لئے کس طرح جاتے تھے، وہاں سے کس طرح آتے تھے، وضو کس طرح کرتے تھے، نماز کے لئے کس طرح جاتے تھے، سنتیں کس طرح پڑھتے تھے، نماز کس طرح ادا کرتے تھے، دعا کس طرح مانگتے تھے، نماز کے بعد اپنے ساتھیوں سے باتیں کس طرح کرتے تھے۔ (روایات میں آتا ہے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے، کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو وہ سناتا تھا، کبھی کبھی دل لگی کی باتیں بھی ہوتی تھیں، آپ ہنستے بھی تھے، ہنساتے بھی تھے) پھر گھر میں آ کر کیا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھئے، ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھئے، حفصہ اور صفیہ رضی اللہ عنہم سے پوچھئے، ان ازواج مطہرات سے پوچھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر اپنی بیویوں کے ساتھ کس طرح بات کیا کرتے تھے، گھر کے کام کاج میں کس طرح حصہ لیتے تھے۔

گھر سے باہر کیا کام کرتے تھے، جب کوئی مہمان آتا تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا، دشمنوں سے بات کرتے تھے تو کیسی بات ہوتی تھی، اپنوں سے بات ہوتی تو کس طرح ہوتی تھی، جب بکریاں چرائیں، تو کس طرح چرائیں تھیں، تجارت کس طرح کی تھی، اور جب اتنی بڑی حکومت سنبھالی جو آج تک کیا بیس دس ملکوں پر پھیلی ہوئی

ہے تو اس حکومت کو کس طرح چلایا تھا، عدالت میں فیصلے کن اصولوں پر کرتے تھے، جہاد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا اور دشمنوں کے ساتھ کیسا معاملہ ہوتا تھا، بہادری اور شجاعت کیسی ہوتی تھی، سفر کس طرح فرماتے تھے، سفروں میں نمازیں کس طرح ادا کرتے تھے، جب رات کو گھر میں جاتے اور نیند کے لئے لیٹتے تو کس طرح لیٹتے تھے، آپ کے سرہانے کیا رکھا ہوا ہوتا تھا۔ یہ ساری تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سنت پر عمل کرنے کے طریقے:

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی پیروی کس طرح کی جائے۔ اس کے دو راستے ہیں اور دونوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

پہلا طریقہ:

ایک یہ ہے کہ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس سرہ کی بڑی مشہور کتاب ہے "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" یہ کتاب اردو میں ہے۔ اس میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبح سے شام تک کے معمولات اور طریقے بہت تفصیل سے لکھے

ہیں۔ یہ کتاب ہر گھر میں ہونی چاہئے اور ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے، یہ کئی سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ جن حضرات کے پاس فارغ وقت ہے، وہ چند روز میں پوری کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں لیکن جو لوگ مصروف ہیں، وہ روزانہ تھوڑا سا وقت اس کے مطالعہ کے لئے طے کر لیں مثلاً سونے کا وقت یا اور جس وقت میں آپ کو آسانی ہو۔ عام طور پر مختصر مطالعے کے لئے سونے سے پہلے کا وقت زیادہ سہولت کا ہوتا ہے اور ایک ورق روزانہ مطالعہ کے لئے مقرر کر لیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی نیت سے باقاعدگی سے مطالعہ شروع کر دیں اور جن جن سنتوں کا علم ہوتا جائے ان پر عمل شروع کر دیا جائے، اس طرح ان سنتوں پر عمل بھی ہوگا اور وہ سنتیں آپ کو یاد ہو جائیں گی، کبھی بھولیں گی نہیں۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا یہ کہ ایسے بزرگوں کی صحبت میں رہیں جن کے بارے معلوم ہے کہ ان کی زندگی سنت کے مطابق ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ سنت پر عمل کرنے کی مشق سنت پر عمل کرنے والوں کی صحبت میں رہنے سے ہوتی ہے۔ اگر ایسے حضرات نہیں ملتے جن کی زندگی سو فیصد سنت کے مطابق ہو تو جن کی زندگی نسبتاً زیادہ سنت کے مطابق ہو، اس

کی صحبت میں رہنا شروع کریں۔

صرف مطالعہ سے مقصد حاصل نہ ہوگا:

اس دوسرے طریقے پر عمل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ صرف مطالعے سے مقصد حاصل نہ ہوگا بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ صرف مطالعے سے آدمی بعض اوقات جہل مرکب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرنے کے بعد یہ سمجھے گا کہ میں تو بڑا متقی اور پرہیزگار ہو گیا، میں تو ساری سنتوں پر عمل کر رہا ہوں لیکن حقیقت میں صحیح طریقے سے عمل نہیں کر رہا ہوگا۔ تکبر میں مبتلا ہو جائے گا، جہنم میں جائے گا اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے:

لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرّةٍ من کبر

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا''

(مشکوۃ، باب الغضب والکبر، الفصل الاول رقم الحدیث ۵۱۰۴)

اتباعِ سنت کے ثمرات:

اس لئے سنت پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں طریقوں کو اختیار کیا جائے۔ اور جب آپ ان دونوں

طریقوں کو اختیار کر کے سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں گے تو کچھ ، عرصے بعد آپ کو اپنی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس ہوگی، چین وسکون نصیب ہوگا، کاموں میں آسانی اور برکت نظر آئے گی، دولت اور وقت میں برکت ہوگی اور وہ لوگ جو آپ سے نفرت کرتے ہیں، وہ آپ سے محبت کرنے والے بن جائیں گے، آپ ہر دلعزیز بنتے چلے جائیں گے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ایسی دلکشی اور کشش ہے کہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، حتی کہ کافر کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کافر بھی جب کسی سنت پر عمل کرنے والے کو دیکھے گا تو اس کی طرف مائل ہوگا۔

اللہ تعالی ہمیں سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمین

بیت العلوم کی مطبوعات

ایک نظر میں

قرآن حکیم انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
محمد عربی انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
صحابہ کرامؓ انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذوالفقار کاظم
خوابوں کی تعبیر کا انسائیکلوپیڈیا	علامہ عبدالغنی نابلسیؒ
خواتین کیلئے اصلاحی ہدایات	مولانا ناظم اشرف
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ	مولانا عمران اشرف عثمانی
گناہوں کے نقصانات اور ان کا علاج	علامہ ابن القیم جوزیؒ
اصلاحی مواعظ ۔۔۔ ۴ جلد	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
اصلاحی تقریریں ۔۔۔ ۴ جلد	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ازواجِ مطہراتؓ کے دلچسپ واقعات	جناب محمد خرم
اسلامی احکام اور اُن کی حکمتیں	شیخ عبدالقادر معروف الکردی
تاریخ المشاہیر	قاضی محمد سلمان منصورپوری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات	شیخ ابوبکر ابن سنی
فضائل اہل بیت صحابہ کرامؓ و تابعینؒ	امام محمد بن علی شوکانیؒ
قصص معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
کھجور کی اہمیت و افادیت	مولانا محمد یوسف خان مدظلہ
مقالات عثمانیؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
قیامت کی نشانیاں	علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ
اولاد کی تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں	احمد خلیل جمعہ
مصائب الصحابہؓ	مولانا انوار الحسن بخاریؒ